DSE.1. Literary History and Criticism

Semester 5th

Mudasir Aga

الطاف حسین حالی کی تنقید نگاری

حالی اردو تنقید میں بنیاد ساز کی حیثیت رکھتے ہیں۔مقدمہ شعرو شاعری ان کے شعری مجموعے کا مقدمہ تھا ،لیکن اتنا طویل ہو گیا کہ اپنے آپ میں ایک الگ کتاب بن گئی۔اس کتاب کے دو حصے ہیں۔پہلا نظری تنقید دوسرا عملی تنقید ۔حالی سے پہلے تنقید محبوب کی موہوم کمر کی طرح تھی۔جس طرح نظم کا تجربہ نیا نیا ہوا،اسی طرح حالی کا تنقید کا تجربی بھی نیا نیا تھا ۔ادبی منظر نامے میں انقلاب برپا کرنے کے لیے ایک تحریک کی ضرورت ہوا کرتی ہے جیسے ترقی پسند تحریک جس نے شعر غیر شعر میں ادباء کی فکر پر اپنا اثر ڈالا۔حالی بذات خود ایک تحریک تھے حالی نے یک بیک اردو کے تمام منظر نامے کو پلٹ کے رکھ دیا۔

حالی نے جن نظری مسائل کو خاص اہمیت دی ہے وہ یہ ہیں

۱۔شاعری کی تاثیر اور اس کی اہمیت

۲۔شاعری اور اخلاق کا رشتہ

۳۔شاعری اور سماج کا رشتہ

۴۔وزن و قافیہ کے بارے میں انقلابی تصورات

۵۔شاعری کے لئے شرائط

٦۔شاعری کی خوبیاں

۱۔شاعری کی تاثیر

حالی کی نظر میں شاعری ایک عطیہ خدا وندی ہے۔اور اس باپت وہ تلقین کرتے ہیں کہ اس عطیہ سے بمطابق فطرت کام لینا چاہئے۔چونکہ حالی

کا نقطہ نظر اصلاحی تھا ، اسی لئے ان کا کہنا ہے کہ شاعری کو نیکی ،اصلاح اور سوسائٹی کی فلاح و بہبود کے کاموں میں استعمال کرنا چاہئے۔

۲۔ شاعری اور اخلاق کا رشتہ

حالی کے نزدیک شاعری ہماری روح اور جذبوں کو مسرور اور پاکیزگی عطا کرنے کا زریعہ ہے ۔جس کا سیدھا تعلق ان کی نظر میں اخلاق و کردار سے ہے۔ اگرچہ وہ یہ مانتے ہیں کہ شاعری کا مقصد اصلاح کردار نہیں ہے لیکن چونکہ اس کا اثر اخلاق پر پڑتا ہے اس لئے اس کو اخلاق سنوارنے کے کام میں لایا جاسکتا ہے۔یہاں حالی افلاطون کے خیال کی پوری طرح تو نہیں لیکن کسی حد تک تائید کرتے نظرآتے ہیں ۔جو کہتا تھا کہ شاعر کو ایک مصلح قوم کا کردار ادا کرنا چاہئے اور ان کی آزادانہ روش کے خلاف تھے۔وہ گرچہ شاعرکو جھوٹا قرار دیتا تھا لیکن حالی شاعری کو بلند مقام دیتے نظر آتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ " اگر افلاطون اپنے خیالی انسٹی ٹیوشن سےشاعروں کو جلا وطن کرنے میں کامیاب ہوتا تو وہ ہرگز اخلاق پر احسان نہ کرتا ۔بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سرد مہر ،خود غرض، اور مروّت سے دور ایسی سوسائٹی قائم ہو جاتی جس کا کوئی کام اور کوئی کوشش بدون موقع اور مصلحت کے محض دل کے ولولہ اور جوش سے نہ ہوتی" مقدمہ صف ۲۲

۳۔ شاعری اور سماج کا رشتہ

حالی ایک سماجی نقاد تھے وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شاعری کا سماج کے اخلاق اور اس کے کردار پر گہرا اثر پڑتا ہے۔وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شاعر کے زہن پر ساسائٹی کی عام صورتحال بھی اثر انداز ہوتی ہے۔جسے وہ تقاضائے وقت سے موسوم کرتے ہیں۔

۴۔ وزن اور قافیہ پر حالی کے خیالات

حالی اچھی شاعری کے لئے محض موزوں طبع ہونے کو کافی نہیں سمجھتے ہیں ۔کیونکہ محض موزوں طبیعت عام اور پسپا مضامین اور تشبیہات اور استعارات کو دہرانے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی۔۔حالی اسی

بنا پر شاعری کے لئے وزن کو ضروری خیال نہیں کرتے۔وہ وزن کے حق میں بس یہی کہتے ہیں کہ اس سے شعر کی تاثیر بڑھ جاتی ہے۔

۵۔شاعری کے لئے شرائط

حالی شاعری کے لئے سب سے پہلی شرط تخیل کو قرار دیتے ہیں اس تصور کو سب سے پہلے رومانیوں نے متوجہ کیا تھا ۔ حالی نے تخیل کو ایسی قوت سے تعبیر کیا ہے کہ جو یاد داشت میں محفوظ معلومات کے ذخیرے کو مکرر ترتیب دے کر ایک نئی صورت بخشتی ہے۔

شاعری کی دوسری شرط مطالعۂ کائنات ہے۔حالی کا یہ تصور بھی اہمیت کا حامل ہے۔کیونکہ زندگی کے مشاہدات و تجربات کا دائرہ اگر وسیع نہیں ہے تو شاعر کا تخیل بھی وسیع تر امکانات کی دنیا خلق نہیں کر سکتا ۔

تیسری شرط تفحص الفاظ کی ہے۔جس سے مراد مناسب الفاظ کا انتخاب ،ان کی ترتیب جس سے خیال کی ترسیل میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔وہ ناقص اور کامل شاعر کا فرق بتاتے ہوئے بڑے پتے کی بات بتاتے ہیں "ناقص شاعر تھاڑی سی جستجو کے بعد اسی لفظ پر قناعت کرلیتا ہے۔ اور کامل شاعر جب تک نہ زبان کے تمام کنویں نہیں جھانک لیتا ہے تب تک اس لفظ پر قانع نہیں ہوتا "

٦۔شعر کی خوبیاں

حالی ملٹن کے حوالے سےشعر کی تین خوبیاں بتاتے ہیں ۔ ۱۔سادگی ۲۔ اصلیت ۳۔ جوش

سادگی سے مراد حالی سلاست نہیں لیتے ہیں۔ کیونکہ سلاست کا سیدھا تعلق الفاظ کے برتاوٗ سے ہے۔ حالی کی مراد خیالات میں سادگی سے ہے جو پڑھنے والا یا سننے والا آسانی سے درک کر سکے۔

دوسری خوبی اصلیت ہے۔ حالی کے بقول خیال کی بنیاد ایسی چیز پر ہونی چاہئے جو در حقیقت کچھ وجود رکھتی ہو ۔ جو حقیقت ہو ۔ جس سے ہمارے حواس فوراً رشتہ قائم کر سکتے ہیں ۔

تیسری خوبی جوش ہے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شاعر نے اپنے ارادے سے مضمون نہ باندھا ہو بلکہ مضمون ایسے بے ساختہ انداز میں باندھا جائے کہ لگے مضمون نے خود شاعر کو مجبور کیا ہے باندھنے لے لئے۔

جسے سیدھے سادھے الفاظ میں ہم آمد کہہ سکتے ہیں ۔حالی نے اپنی تنقید کے عملی حصّے میں غزل ،مثنوی اور دیگر اصناف پر بھی اپنی رائے قائم کی ہے۔ حالی کی تنقید مابود ناقدین کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئی ہے۔

شبلی کی تنقید نگاری

اردو تنقید کے بنیان گزار حالی تھے۔ لیکن تنقید کو واضح شکل دینے اور اس کو عملی طور پر شبلی نے اپنایا ۔شبلی کے تنقیدی خیالات کا مأخذ دو ہیں ۔ ۱۔ موازنۂ انیس و دبیر ۔ ۲۔ شعر العجم۔

شبلی کی تنقید کا زیادہ تر حصہ شاعری اور جذبات کے رشتے اور لفظ و معنی کے مباحث کے ساتھ وابستہ ہے۔ شبلی کا تنقیدی عمل عربی فارسی شعریات سے ہی روشنی اخذ کرتا ہے۔ حالی نے لفظ و معنی کے حوالے سے خوب بحث کی ہے ۔اور اس حوالے سے متقدمین شرق کے موافق معنی کو لفظ پر ترجیح دی ہے۔لیکن شبلی کا رجحان لفظ کی طرف زیادہ ہے۔انہوں نے کہیں کہیں معنی کو بھی اوّلیت دی ہے۔اور لفظ و معنی کے باہمی تعلق پر زور دیا ہے۔لیکن ان کی تان لفظ پر ہی زیادہ توٹتی نظر آتی ہے۔ کیونکہ مضمون تو شاعر پیدا کر سکتا ہے ۔ دوسروں کے ادا کئے ہوئے مضامین کو بھی اخذ کر سکتا ہے۔ لیکن اہمیت اس بات کی ہے کہ اس نے مضمون کو کس انداز سے ادا کیا ہے۔ان کی بندش کیسی ہے ۔وہ شاعر سے نئے مضامین کی بھی توقع کر تے ہیں۔گو کہ شبلی کی نظر میں شاعری لفظی درو بست ،اہتمام الفاظ، جمالیاتی نظم و ضبط، اور نئے مضامین کا بھی تقاضا کرتی ہے۔

شبلی نے لفظ کو ضرور مقدم قرار دیا ہے۔ لیکن اکثر لفظ کو مضمون کے ساتھ ملحق کر کے بات کی ہے۔گویا ان کی نظر میں معنی اور مضمون میں گہرا تعلق ہے۔ وہ جس طرح مضمون کو اد اکرنے کے لئے مناسب ترین

الفاظ کے استعمال پر زور دیتا ہے اسی طرح معنی کے اہتمام پر بھی بات کرتے ہیں ۔ اس ضمن میں وہ کہتے ہیں ۔

" یہ مطلب نہیں کہ شاعر کو صرف الفاظ سے غرض رکھنی چاہئے اور معنی سے بالکل بے پرواہ ہونا چاہئے ،بلکہ مقصد یہ ہے کہ مضمون کتنا ہی بلند اور نا زک ہو اگر الفاظ مناسب نہیں تو شعر میں کچھ تاثیر پیدا نہ ہو سکے گی "

شبلی نے شعر العجم کی چوتھی جلد کے باب اوّل میں عمدہ شعر کی کوبیوں کو اپنی بحث کا موضوع بناتے ہوئے مندرجہ زیل چیزوں پر تاکید کی ہے۔

۱۔ شاعری میں وزن جروری چیز نہیں ہے۔

۲۔کسی شعر میں تخیّل ہو محاکات نہ ہو تو کیا وہ شعر نہ ہوگا ۔ان کا کہنا ہے کہ تخیل بھی محاکات کے دائرے میں آتا ہے۔

۳۔ شاعری تخیل اور محاکات کا نام ہے ان میں سے ایک بھی خوبی پائی جائے تو شعر ، شعر کہلانے کا مستحق ہوگا ۔

۴۔ سلاست ،صفائی ،حسن بندش، وغیرہ شعر کے اجزائے اصلی نہیں ہیں بلکہ یہ شعر کے خارجی حسن کو دوبالا کرتے ہیں ۔ شبلی کا انداز نقد جمالیاتی تھا ۔ اسی لئے لفظی تنظیم ،درو بست میں خوش آہنگی، ان کے یہاں اوّلیت کا درجہ رکھتی ہے۔ شاعری کے ذوق کو وہ طبعی قراردیتے ہیں۔

محاکات اور تخیّل کا رشتہ

شبلی نے محاکات کا تصور ارسطو سے اخذ کیا ہے۔ارسطو کے تصور نقل سے جو کہ غالباً ابن ر شد کے زریعے سے شبلی تک پہنچا ہے ، سے شبلی اپنے تصورات کی بنیاد مہیا کرتے ہیں ۔وہ ہو بہو مظر نگاری، تصویر کشی،جزئیاتی تفصیل نگاری کے حق میں ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی منظر کو بیان کرنے یا لفظوں میں منتقل کرنے کے لئے محاکات سے کام لینا چاہئے لیکن وہ یہ کہہ کر شعرا کو متنبہ بھی کرتے ہیں کہ متأخرین شعرا نے ان موقعون پر مھاکات کے بجاے تخیل سے کام لے کر سخت غلطی کی تھی۔ایک جگہ فرماتے ہیں۔"شاعری دراصل تخیل کا نام ہے، محاکات مین جو جان آجاتی ہےتخیل سے ہی آجاتی ہے۔ ورنہ محاکات نقالی سے زیادہ

کچھ نہیں ہے۔قوت محاکات کا کام یہ ہے کہ جو کچھ دیکھے یا سنے اس کو الفاظ کے زریعے بعینہ ادا کردے لیکن ان چیزوں میں ایک خاصترتیب پیدا کرنا اور توافق کو کام میں لانا اور ان پر آب و رنگ چڑھانا قوت تخیل کا کام ہے۔شعر العجم جلد چہارم صف ۳۱۔۳۲"

شبلی کا زہن مشرقی تھا ۔مغرب کے حوالوں کے باوجود عربی اور فارسی شعریات ہی ان کے لئے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے لفظ پر معنی کو مقدم سمجھا ،شاعری کو جذبات کے بے ساختہ اظہار سے تعبیر کیا ۔ شاری میں تخیل اور محاکات کا کیا مقام ہے واضح کیا ۔شبلی کی تنقید میں حالی کے خیالات کی گونج بھی ملتی ہے۔لیکن تجزیہ اور خیالات شبلی کے اپنے ہیں ۔

جدیدیت ایک تعارف

اپنے عہد کی زندگی کا سامنا کرنا اسے تمام خطرات و امکانات کے ساتھ برتنے کا نام جدیدیت ہے۔ ہر عہد میں جدیدیت ہمعصر زندگی کو سمجھنے کے مسلسل عمل سے عبارت ہوتی ہے۔ ترقی پسند جوبے کو جب ادیبوں نے اپنے کاندھوں سے اتار پھینکا تو ہمارے ادب میں جدیدیت کی تحریک نے جنم لیا۔

اردو ادب میں جدیدیت کے رحجان کو خاص طور سے 1960ء کے بعد فروغ ملا۔جدیدیت کے رحجان نے تقریباً تمام اصناف سخن کو متاثر کیا۔ جدیدیت کا باقاعدہ آغاز دراصل بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں اس وقت ہوا جب عظمت اللہ، نیاز فتح پوری، سجاد حیدر یلدرم اور ان کے بعد میرا جی اور راشد جیسے ادیبوں نے ادب کے بدلتے ہوئے تیور، منفرد لہجے اور ایک نئے زاویے سے اردو قارئین کو روشناس کیا۔انفرادیت پر جدیدیت نے بہت زور دیا۔ فرد کی آزادی اس کے نزدیک بے حد اہم تھی۔ یہ ایک طرح کا ردعمل تھا کیونکہ آزادی کی جدوجہد، مغربی سامراج کے مظالم، اور اس سے نجات کی کوشش، سرمایہ داری کی لعنتیں، سوشلزم کی برکتیں اور دوسرے عالمی مسائل پر ترقی پسند تحریک نے اپنی نظریں جمائے رکھیں۔ اس کے برعکس جدیدیت نے ان کو اہمیت نہیں دی۔ فنکار نے باہر کی دنیا سے اپنا رشتہ توڑ لیا اور اپنے دل کی دنیا میں کھو کر رہ

گیا۔غرض یہ کہ جدیدیت نے فرد کو، اس کی ذہنی کیفیتوں کو، اس کے شعور اور لاشعور کو اہمیت دی۔

یہ تحریک پنجاب کی سرزمین سے اٹھی اور پورے ملک میں چھا گئی۔ اس تحریک نے مقصدیت کے فروغ کا نعرہ بلند کیا اور 1890ء میں محمد حسین آزاد اور خواجہ الطاف حسین حالی کے ذریعے نیچرل شاعری کی بنیاد ڈالی۔ حالی کے" مقدمہ شعر و شاعری" نے فرسودہ روایات سے انحراف کرنا سکھایا اور نظم گوئی کی ابتدا کی گئی۔ پہلی بات اردو ادب میں یہ بہت بڑی تبدیلی تھی جو آگے چل کر اجتماعی رحجان کی شکل میں رائج ہوگئی اور نئے رجحانات پیدا ہوئے، نئے نئے موضوعات اختیار کیے گئے، نئے نئے اسلوب ڈھالے گئے۔ ہیت اور تکنیک کے نئے نئے تجربے کیے گئے۔ نظم معریٰ، جدید نظم، سانیٹ، ہائیکو اور نثری نظم کے تجربے سامنے آئے اور پھر علی گڑھ تحریک نے علمی اور تہذیب کی حمایت میں اہم رول ادا کیا۔ اس دور میں تاریخ نگاری، ناول نگاری، افسانہ نگاری و انشائیہ کا فن بھی سامنے آیا۔ سر سید اور غالب کی نثر نگاری سے ایک نئی جہت کا آغاز ہوا۔

جدیدیت کے فروغ کا باعث ترقی پسند تحریک کا زوال بنا۔ترقی پسند تحریک کی جو موضوع و مواد پر زیادہ زور دیتے تھے اس کے برعکس جدیدیت نے قنوطیت اور انفرادیت پر، اور ادب میں ابلاغ جدیدیت کے فروغ میں مدد گار ثابت ہوئے۔جدیدیت نے قاری و سامع سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔ اس تحریک نے کہا جب سماج کو آپ کی فکر نہیں تو آپ کو بھی سماج کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جو کچھ لکھنا ہے اپنی ذات کے لیے لکھو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جدید افسانہ اور شاعری مشکل چٹان بن کر رہ گئی۔ نئی تنقید نے جدیدیت کی تحریک کو پروان چڑھانے میں اہم رول ادا کیا۔

جدیدیت نے ادب میں فن کو اولیت دی۔اس تحریک کے زیراثر لکھنے والے ادیبوں اور شاعروں نے علامت اور تجریدیت پر اتنا زور دیا کہ زندگی کی حقیقت پیچھے چھوٹ گئی۔ جدید شعراء میں میرا جی، نون میم راشد، اختر الایمان، خلیل اور عادل منصوری کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کے کلام میں ایک تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے یہاں نہ تو کلاسیکی کی کی قافیہ پیمائی ہے نہ محض عشقیہ نہ اشتراکیت، بلکہ شاعری کے ان کے دل سے نکلتی ہے۔

جدید اور قدیم شاعروں میں جتنا فرق ہے جدید اور قدیم نثر نگاروں میں اس سے زیادہ فرق تھا۔ قارئین جب روایتی کہانیوں سے اکتا گئے تو اس میں

طرح طرح کی تبدیلیاں ہونے لگیں۔ علم نفسیات سے آگہی عام ہوگئی، شعور کے علاوہ تحت شعور اور لاشعور کا سراغ ملا۔ کردار کو اقوال و انصاف سے نہیں بلکہ ذہنی عمل پر توجۂ مرکزی سے پہچانا جاتا تھا۔ علامتوں کا استعمال ہونے لگا۔ تجریدی کہانیاں لکھی جانے لگیں۔ 'ناکہانی' کو اردو میں رواج دینے کی کوشش کی گئی۔ کردار نگاری، پلاٹ، وحدت تاثیر اور افسانے کے تمام اجزاء کو بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ کہانی پر غائب ہونے لگا۔

جدید افسانہ نگاروں میں دو طرح کے افسانہ نگار تھے۔ ایک تو وہ جنہوں نے پنشن کے طور پر جدیدیت کو اپنایا اور جدید کہلانے کے شوق سے پیچیدہ کہانیاں لکھیں۔ دوسرے وہ فنکار تھے جنہوں نے ضرورت کے زیر اثر اپنی کہانیاں لکھیں۔ ضرورت کے زیر اثر لکھنے والے اہم افسانہ نگاروں میں سریندر پرکاش، بلراج مینرا، انور سجاد، قمر حسین، سلام بن رزاق وغیرہ اہم ہیں۔

جدیدیت کے افسانوں میں خارجی عوامل سے زیادہ داخلی کیفیت پر زور دیا گیا۔ تجرید، علامت اور استعارے کے سبب افسانہ شاعری کے قریب نظر آنے لگتا ہے۔افسانے میں خود کلامی کے عنصر بڑھنے لگے۔ نئے نئے رحجان اور فکری رویوں نے پرورش پائی۔ اظہار کے پیکر اور اسلوب بدلے گئے۔ کردار اور کہانی پن کے ساتھ بیانیہ بھی ختم ہونے لگا۔ افسانے میں عام طور پر بندر، کتا یا پھر پرندوں کو علامت کے طور پر استعمال کیا جانے لگا جیسے کہانی ایک معما نظر آنے لگی۔

نئی تنقید نے جدیدیت کی تحریک کو پروان چڑھانے میں بہت اہم رول ادا کیا۔ جدیدیت کے زیر اثر لکھنے والے فنکار قاری کی پرواہ کیے بغیر اپنی تخلیقات پیش کرنے لگے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک ایسے نظام کی ضرورت تھی جو ہمدردی کے ساتھ نئی تخلیقات پر غور کرے۔ پروفیسر آل احمد سرور نے یہ فرض ادا کیا۔ ان کے علاوہ پروفیسر گوپی چند نارنگ، پروفیسر شمیم، وہاب اشرفی، باقرمہدی، ابو کلام قاسمی نے جدیدیت کی طرف خاص توجہ دی۔

جدیدیت کے تعلق سے مختلف اور متضاد باتیں کہی جاتی رہی ہیں۔ جیسے کہا گیا کہ جدیدیت ایک رجحان ہے، ایک فیشن ہے، ایک فارمولا ہے، فراڈ ہے، ترقی پسند کی توسیع ہے، ترقی پسندی کی ضد ہے، مغرب سے مستعار ہے، روایت اور بغاوت کا استحکام ہے، ایک مستحسن اور خوشگوار اقدام ہے، ایک تاریخی تقاضا ہے، جس کا انکار ممکن نہیں وغیرہ وغیرہ۔اس قبیل کی باتوں کا قطعیت کے ساتھ اثبات یا انکار مشکل ہے۔ جدیدیت کی شناخت

اس کے رویہ سے ہوتی ہے جو کسی تخلیق کو قدیم یا روایتی رنگ سے جدا کرکے اس میں ایک نئی اور تازہ احساس کی موجودگی کا پتہ دیتی ہے۔ جدیدیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ادبی اظہار کو وقت یہ والوں کا پابند نہ بنائیں۔جدید دور کا انسان نظریے کی جکڑ بندی سے نکل کر زندگی کے حقائق کو اپنی نظر اور اپنے تجربے کے وسیلے سے دریافت کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ جدیدیت کو ترقی پسندی کی توسیع تسلسل قرار دیا جانا صحیح نہیں۔

بقول منظر اعظمی" اس طرح جدیدیت کی تحریک مشہور لائحہ عمل کی تاریخ نہیں، اس کی بنیاد انفرادی احساسات، تجربات اور عصری حقائق کو براہ راست تخلیقی سطح پر برتنے کی کوششوں پر ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو اس میں مختلف سمتوں کے فکری دھاگے آکر جدیدیت یا ان کے ایک بڑے دھارے میں شامل ہو گے۔

دبستان دلّی کی خصوصیات

دلی میں اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز ولی کے دلی آنے کے بعد ہوتا ہے۔حالانکہ ولی سے قبل بھی دہلی میں ریختے میں شاعری ہو رہی تھی لیکن وہ شعراء ذائقہ بدلنے کے لئے اردو میں شاعری کررہے تھے اور اپنی شاعری کو ظاہر کرنا معیوب سمجھتے تھے کیونکہ اس دور میں فارسی شاعری کا بول بالا تھا اور فارسی میں شاعری کرنا فخر سمجھتے تھے۔

اردو شاعری فارسی شاعری کے زیر اثر پروان چڑھی اس لیے عشق ومحبت کے وہی تصورات اردو میں شامل ہوئے جو فارسی میں رائج

تھے۔اردو میں صرف فارسی کی پیروی میں یہ تصورات شامل نہیں ہوئے بلکہ دہلی اور اس کے گردونواح میں مغلیہ سلطنت میں بھی وہی تصورات پائے جاتے تھے۔چونکہ اس وقت دہلی کو بہت ساری آفتوں کا سامنا کرنا پڑا اس لیے وہاں غم و الم کا ماحول بھی پیدا ہو گیا۔دہلی کی سماجی، سیاسی ابتری نے لوگوں کو تصوف کی طرف بھی مائل کیا۔ اسی لیے وہاں کی شاعری میں تصوفانہ مسائل زیادہ پائے جاتے ہیں۔

دبستان دہلی کی شاعری کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پہلا دور میں سراج الدین خان آرزو، ٹیک چند بہار اور جعفر زٹلی کے نام اہم ہیں دوسرے دور میں ولی کے بعد جن شعراء نے ریختہ میں شاعری کی ان میں خاتم، آبرو، مضمون، شاکر ناجی وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ایہام گوئی کو اس دور میں زیادہ فروغ ملا۔اور تیسرے دور میں مظہر، سودا، میر اور میر سوز وغیرہ کے نام اہم ہیں۔اس دور کے شعراء نے ایہام گوئی کو ختم کردیا اور آپ بیتی کو خاص رواج دیا۔چوتھا دور انشاء، مصحفی، رنگین اور جرأت کا ہے اور پانچواں دور غالب، مومن، ذوق اور ظفر کا ہے۔اس دور میں زبان نے ایک مستقل شکل اختیار کرلی۔

دبستان دہلی کے شعراء سے مراد صرف وہی شعراء نہیں ہیں جنہوں نے صرف دہلی میں شاعری کی بلکہ وہ بھی ہیں جنہوں نے دوسرے شہروں میں جا کر دبستان دہلی کے تصورات کو عام کیا۔دراصل دہلویت ایک نقطۂ نظر، ایک خاص شعری مزاج کا نام ہے۔دہلی کی معاشی اور سیاسی حالت بہت خراب تھی اسی لئے دہلوی شاعری فاقے میں پروان چڑھی۔درویشوں اور فقیروں کی صحبت میں تصوف نے بھی اپنی خاص جگہ بنائی۔دبستان دہلی کی شاعری کی خصوصیت یہ ہے کہ دل میں درد ہو، جذبات میں گہرائی ہو اور خیالات میں بلندی ہو۔زبان صاف، سلیس اور شگفتہ ہو۔ولی سے لیکر میر اور غالب کے زمانے تک درویشی و شاعری ساتھ ساتھ چلتی رہی۔

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کرے ہم کو عبث بد نام کیا

غافل تو کدھر بہکے ہے ٹک دل کی خبر لے
شیشہ جو بغل میں ہے اسی میں تو پری ہے

آئی حیات لائی قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

مجموعی طور پر دبستان دہلی میں ہر طرح کی شاعری ہو رہی تھی۔حسن و عشق کے ساتھ ساتھ تصوف دہلی کے شعراء کا اہم موضوع رہا ہے۔دہلی کے شعراء نے واردات قلبی اور تصوف کے مضامین پر زیادہ توجہ دی۔انہوں نے حقیقت کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا اسی لئے ان کی شاعری داخلی اور کلبی ہے۔دبستان دہلی کے شعراء کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ عشق و عاشقی، ہجرووصال، شکوہ شکایت کے مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے کہ ایک نیا لطف پیدا ہو گیا۔یہی وہ خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے دبستان دہلی کی شاعری تمام دبستانوں میں اپنی انفرادی حیثیت رکھتی ہے

انشائیہ کی صنف اردو میں انگریزی سے آئی ہے۔انشائیہ کا مفہوم اردو ادب کا ہے۔انشائیہ میں انشائیہ Essayمیں تقریباً وہی ہے جو انگریزی میں نگار بے تکلف، بے ساختہ اور اپنے ذاتی مشاہدے کی بنیاد پر ہی اپنے تاثرات بیان کرتا ہے۔اس کے سامنے کوئی خاص اصلاحی مقصد نہیں ہوتا۔ وہ اپنے دل کی باتیں مزے لے لے کر بیان کرتا ہے۔ لیکن ان باتوں میں تازگی، ندرت، اور شگفتگی کا ہونا ضروری ہے۔انشائیہ کا لہجہ نرم و نازک ہوتا ہے۔انشائیہ میں روانی کا ہونا بھی ضروری ہے۔فطرت کی منظر کشی انشائیہ کا ایک خاص موضوع ہے۔